علامہ اقبال کی علامت نگاری

Symbolic Writing of Iqbal

Abid Hussain
PhD Research Scholar Wifaqi .Urdu University Islamabad
Email: abidmutaheri@gmail.com

Abstract

Symbols are basically tools to deliver creative poetic meaning. In the poetry of Iqbal, there are a large number of symbols used to explain and emphasize the poetic meanings. Most of the symbols used in the poetry of Iqbal have a religious background, like Iblees, Mulla, satanic, etc. This article is aimed at focusing on the symbolic poetry of Iqbal. It will be helpful to approach the symbolical poetics of Iqbal.

Keywords: Symbols, Iqbal, Poetics

مقدمہ

علامت بنیادی طور پر عربی زبان کا لفظ ہے۔ مختلف لغت نویسوں نے علامت کے مختلف معانی تحریر کیے ہیں مثلاً فیروزاللغات میں علامت کے یہ معانی درج ہیں:

نشان، مارک، سراغ، کھوج، اشارہ، کنایہ، چھاپ، مہر، لیبل، آثار، (بیماری کے) جمع، تفریق، ضرب و تقسیم کا نشاں، امیری کا نشاں، فاصلے کا نشاں، میل کا پتھر”(۱) نورُ اللغات میں علامت کے ضمن میں یہ معنی درج ہیں: نشان، آثار، پہچان، مہر یا کوئی اور نشان جو کارخانہ یا مالک کی طرف سے بنا دیا جائے(۲) فرہنگ آصفیہ میں علامت کے معانی کچھ یوں بیان ہوئے ہیں: علامت (ع) اسم مونث نشان، لکھشن، مارک، پتہ، ایڈریس، سراغ، کھوج، اشارہ، کنایہ، آثار(۳)

علامت کے لغوی معنیٰ:

“A Dictionary of Urdu Classical Hindi and English”
میں علامت کے معانی کچھ اس طرح سے مندرج ہیں۔

“A mark, sign, token, inbox, exponent characteristic, acognizoue a badge, device, a flag”(4)

انگریزی میں علامت کے لیے Symbol کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ دراصل یونانی زبان سے ماخوذ ہے اور دو لفظوں (Bolon) اور (sym) مجموعہ ہے۔ لغوی اعتبار سے علامت انگریزی لفظ symbol کا ترجمہ ہے اور یونانی لفظ symboline سے نکلا ہے جس کے معانی ہیں ”دو چیزوں کو ایک ساتھ رکھنا“(۵)

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں سمبل کی تعریف یوں درج ہے:

“Symbol the term given to a visible object representing to the mind, the symblance of something which is not shown but realized by association” (6)

”کشاف تنقیدی اصطلاحات“ میں علامت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

علامت کے اصطلاحی معنی ہیں: کوئی شے، کردار یا واقعہ جو بطور مجاز اپنے کردار اپنے ماورا کسی شے کی نمائندگی کرے"(۷)

ادبی اصطلاح میں علامت نگاری سے مراد کسی خیال یا فکر کو بالواسطہ طور پر کسی اشارے یا نشان کے طور پر بیان کرنے کا نام ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے لکھا ہے کہ علامت مخفی تصورات کا وسیع نظام کی مجمل ترین شکل ہے۔ یہ بھی دراصل تشبیہ کے خاندان سے ہے اور کسی نہ کسی جہت سے مشابہت کا رابطہ اس میں کار فرما ہوتا ہے۔ علامت نگاری میں مخفی تصورات کا وسیع سلسلہ ہوتا ہے اور اس کی حیثیت ذہنی رویے کی ہوتی ہے۔ علامت میں اظہار بصورتِ اخفا ہوتا ہے۔(۸)

ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے لکھا ہے کہ علامت کسی غیر مرئی حقیقت کا مرئی نشان ہے۔ مرئی نشان غیر مرئی حقیقیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ مرئی حقیقت چونکہ معنی خیزی رکھتی ہے اس لیے اس کے پیچھے گنجلک و پیچیدہ خیالات و محسوسات کا ایک سلسلہ بنتا ہے اور علامت ان خیالات کے تصورات ابھارنے کے فرائض اختصاری عمل سے انجام دیتی ہے اور ان تصورات سے جو معنویت و مفہوم مرتب ہوتا ہے وہ ہمیشہ غیر یقینی ہوتا ہے۔ علامتی معنویت یقینی نہیں ہو سکتی۔ جب معنوی رشتے یقینی ہو جائیں تو علامت ایک روایتی نشان بن جاتی ہے۔(۹)

در حقیقت علامت شے کو اس کے مخفی تصور سے منسلک کرتی ہے بلکہ یوں کہیے کہ جب شے علامت کا روپ اختیار کرتی ہے تو قاری کے ذہن کو اپنے مخفی تصور کی طرف موڑ دیتی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے ایک جگہ لکھا ہے کہ جب شاعر کسی شے یا لفظ کو علامت کے طور پر استعمال کرتا ہے تو اپنی جست کی مدد سے اس شے اور اس کی مخفی معنی میں ایک ربط دریافت کرتا ہے۔ شاعر کا سارا جمالیاتی حظ اس میں اسی جست کے باعث ہے۔(۱۰)

عارف عبدالمتین نے مثالوں کے ذریعے علامت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ گل کا لفظ ایک علامت ہے اور اس کی معنویت کا راز اس نباتاتی وجود میں پوشیدہ ہے جو کہ سرخ رنگ کی نرم و نازک پتیوں پر مشتمل پیکر لیے اپنی خوشبو سے باغ کے گوشے گوشے کو مہکا رہا ہے۔ اسی طرح بلبل کا لفظ ایک علامت ہے اور اس کی معنویت کا راز اس حیوانانی وجود میں پنہاں ہے جو اپنے خوشنما اور دیدہ زیب رنگوں والے پروں کے ساتھ باغ میں اڑتا ہے اور گلوں پر کمال شیفتگی سے منڈلاتا ہے۔(۱۱)

ڈاکٹر فہیم اعظمی کے بقول چارلس کیڈوک نے علامت نگاری کو خیالات اور جذبات کے اظہار کا موثر ترین وسیلہ قرار دیا ہے۔

علامت نگاری جذبات اور خیالات کے اظہار کا فن ہے جس میں ان سے متعلقہ عناصر کو براہ راست ظاہر نہیں کیا جاتا اور نہ ہی ان کو کسی دوسری مادی شے کے امیجز سے بین مشابہ گردانا جاتا ہے بلکہ ان جذبات اور خیالات کو اشارتا بیان کیا جاتا ہے اور قاری کے ذہن میں اس کی تخلیق نو کا تاثر غیر واضح تمثیل کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔"(۱۲)

ہر لفظ یا شے کو ہم علامت نہیں کہہ سکتے ہیں لیکن اگر تخلیقی عمل کی مدد سے کوئی لفظ یا شے اتنی ثقیل ہو جائے کہ منعکس کرنے لگے تو ہم کہیں گے کہ اب یہ لفظ یا شے علامتی ہو گئی ہے۔(۱۳)

سادہ لفظوں میں سمبل کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں کوئی ایک معنی نہیں بلکہ بے شمار معانی ہیں۔ کسی ایک لفظ یا ایک شے کے تصور سے ذہن میں بہت سے معانی پیدا ہوں تو کہ جائے گا کہ اسے آپ نے سمبل کے طور پر استعمال کیا ہے۔(۱۴)

علامہ اقبال کا شمار ان گنے چنے شاعروں میں ہوتا ہے جو اپنے بلند افکار و نظریات اور فنی و اسلوبیاتی انداز بیان کے اعتبار سے منفرد مقام رکھتے ہیں. انہوں نے مختلف علائم کو نہ صرف اپنے بھرپور اور وسیع مفہوم میں استعمال کیا ہے بلکہ علامتوں کو نئے آہنگ اور عصری مزاج سے بھی ہم آہنگ کر دیا۔ اقبال کی نظموں میں علامتیت ان کے ماحول اور معاشرت کے تقاضوں کے مطابق ہے ان کے نزدیک اگر علامت ماحول اور سماجی مسائل سے مملونہ تو وہ بے وقت کی راگنی کی مانند بے اثر رہ جاتی ہے۔ جہاں تک ان کی سماجی قربت کا تعلق ہے اس میں قومیت اور عالم گیریت دونوں عناصر نظر آتے ہیں وہ قوم اور مذہب میں جمود کے قائل نہیں تھے ان کی نظر میں مذہب ایک متحرک، حیات جاویدانی اور انقلاب آفرین وسیلہ حیات ہے یہی وجہ ہے انہوں نے شعوری طور پر مذہب کو اپنی شاعری کا بنیادی موضوع اور ملت کی معاشرتی فلاح و بہبود کا وسیلہ قرار دیا۔

اقبال کی علامات ان کے مذہبی طرز فکر، مختلف مذاہب سے ان کی آگاہی تاریخ اسلام اور تاریخ عالم کے بارے میں ان کے گہرے مشاہدے، حالات حاضرہ سے ان کی غیر معمولی دلچسپی اور مختلف فلسفوں پر ان کی گہری نظر کے عکاس ہیں۔ جس طرح اقبال کی افکار اور نظریات میں تعقید اور پیچیدگی نہیں ہے اسی طرح سے ان کے معنویت سے بھرپور علائم اور استعاروں میں بھی ژولیدگی اور نامانوسیت نہیں ہے۔ اقبال کی علامتوں میں مرد مومن کی علامت بہت ہی معنی خیز ہے یہی وجہ ہے کی اقبال نے اس علامت کو اپنی نظموں میں بارہا استعمال کیا ہے۔

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے
کافر ہے مسلماں تو شاہی نہ فقیری
مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی

ان اشعار میں بطور علامت فقیری اور قلندر کی دلپذیری اور معنویت بے مثال ہے۔ ان میں فقیری کی علامت کو مختلف سانچوں میں ڈھال کر شعر کو معنوی طور پر بلندی پر پہنچا دیا ہے یہاں فقیری سے بے نیازی، فنا فی اللہ، مادیت سے بے رغبتی اور حقیقت پسندی جیسے مفاہیم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اقبال کی شاعری میں استعمال شدہ بیشتر علامتیں مذہبی پس منظر رکھتی ہیں یا مذہبی تعلیمات و واقعات کے کسی پہلو سے کوئی تعلق رکھتی ہیں۔ ان کی نظموں

میں کلیمی، اسد الٰہی، بولہبی، عرفان، جبریل، شبیری، کربلا، شیخ، ملا، فقیہ، زاہد، حکیم، کوفی و شامی، برہمن، وغیرہ بہت زیادہ مستعمل ہیں۔ اقبال نے مذہبی علامتوں کی معنویت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔

رِشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد
حقیقت ابدی ہے مقام شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

اہل اسلام میں دو ایسے شاعر گزرے ہیں جنہوں نے اسلامی ادب کا پایہ آسمان تک پہنچا دیا ہے اور اس کی عظمت کا نقش جبینِ وقت پر ثبت کر دیا۔ ایک ہندو پاک کا شاعر اقبال اور دوسرا دنیائے عرب کا شاعر ابو العلاء۔ (۱۵)

علامہ اقبال کو الفاظ پر غیر معمولی قدرت حاصل تھی ان کی فنی عظمت کا اظہار ان کے اس شاعرانہ مزاج سے ہوتا ہے جس میں روایت اور بغاوت کا امتزاج ہوتا ہے۔ انہوں نے اردو فارسی کے بہترین شعراء سے، بہترین ورثہ پایا تھا اور اس میں اپنے طرز اظہار کے نئے پن اور احساس کی تازگی سے اپنی قوت متخیلہ اور اپنی شخصیت کے زور سے رنگارنگی اور وسعت پیدا کرتے تھے۔ (۱۶)

علامہ اقبال کی شاعری کا علامتی نظام ان کی فکری ارتقاء اور وسعت کے امکانات سے بھرپور ہے یہی وجہ ہے انکے بعد آنے ولے شعراء چاہے رومانوی تحریک سے وابستہ ہوں یا ترقی پسند تحریک سے۔ جدیدیت کے علمبردار ہوں، اسلامی ادب کے سرگروہ ان سے نظریاتی لگاؤ نہ رکھنے کے باوجود ان کے فن اور اسلوب بیان سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ان سے متاثر لوگوں میں ناظر حسین ناظم، نیرنگ، چکبست، تصدق حسین خالد، اسد ملتانی، صوفی تبسم ماہر القادری وغیرہ جیسے قادرالکلام شاعر شامل ہیں۔

"اقبال نے شر کو زندگی کی ایک قوت تسلیم کیا ہے چناچہ ابلیس اس لحاظ سے تو معتوب ہے کہ وہ بدی کا پیکر اور شر کا مجسمہ ہے اور عامتہ الناس کو خیر کے راستے سے ہٹانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا تاہم اقبال نے ابلیس کے باطن میں جھانکنے اور ابلیس کے کردار کو خالص فلسفیانہ نقطہ نظر سے پرکھنے کی سعی کی ہے۔ (۱۷)

علامہ اقبال کی علامتوں میں سے ایک کلیم ہے جو کہ حضرت موسیٰؑ کا لقب بھی ہے اس علامت کے ذریعے انہوں نے خودی کی تکمیل کو ظاہر کیا ہے

"ان کی پیغمبرانہ خودی ان کی شخصیت کا وہ جزوِ عظیم ہے جس نے فرعونی غرور و نخوت کو شکست دی جہاں فرعونی ظلم و استبداد اور جبریت کی علامتی پیکر ہے جس نے بنی اسرائیل کی تمام ذہنی و فکری قوتوں اور اقتصادی و سماجی حیثیت کو سلب کر لیا تھا۔ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو فرعونی اسعمار سے آزاد ہونے کی تلقین کی۔ غلامی کے شکنجے سے آزاد ہونے کا گر بتایا۔ خودی کو بیدار کیا اور مسیحائی بے باکی کے ساتھ دینے کا درس دیا۔ (۱۹)

اوائل اسلام اور عمرانی تاریخ میں ملا کا لفظ قابل قدر مذہبی علماء اور شخصیات کے لیے استعمال ہوتا تھا لیکن مرور ایام کے ساتھ یہ لفظ بد اعمال، ریاکار، اور علمائے سُوء کے لیے بطور علامت استعمال ہوتا ہے۔

دین کافر ، فکر و تدبیرِ جہاد
دین ملا ، فی سبیل اللہ فساد

(جاوید نامہ)

"اقبال نے ملا کا لفظ علامت کے طور پر استعمال کیا ہے ورنہ صرف شریعت کے ظاہری رسوم و عقائد کی پابندی پر زور دینا اور روح شریعت سے بے خبر رہنا ہر زمانے میں ہدف تنقید بنتا رہا ہے البتہ ایسے اشخاص کی علامتیں مختلف تھیں جو ظواہر پر اس قدر شیفتہ ہوں کہ روح سے بے خبر ہو جائیں ایسے لوگ عام طور پر سے ریاکار بھی ہوتے تھے۔ (۲۰)

علامہ اقبال کی نظموں اور شاعری میں بت کا لفظ فقط مصنوعی اینٹ یا پتھر سے بنائے ہونے خداؤں یا دیوتاؤں کے لیے مستعمل نہیں ہے بلکہ تمام غیر اخلاقی اور فرسودہ رسوم و رواج اور رویوں کے لیے بت بطور علامت استعمال کیا ہے نسل پرستی، خود پسندی، رنگ و نسب، دولت پرستی، وطن پرستی اور دنیاداری وغیر کو اقبال نے بت سے تعبیر کیا ہے

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا

نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند

(طلوع اسلام بانگ درا)
بتان وہم و گماں لا الہ الا اللہ
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
(ضرب کلیم)
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبوی ہے
ابلیس ہے مری جرأت سے مشتِ خاک میں ذوقِ نمو
میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار و پود!
دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزمِ خیر و شر
کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے؟ میں کہ تو؟
خضر بھی بے دست و پا، الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفان، یم بہ یم، دریا بہ دریا، جُو بہ جُو
گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو؟
میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ھُو، اللہ ھُو، اللہ ھُو
جبریل و ابلیس (بال جبریل)
ابلیس (اپنے مشیروں سے)
ہے مرے دستِ تصرف میں جہانِ رنگ و بو
کیا زمیں، کیا مہر و مہ، کیا آسمانِ تو بتُو
دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشا غرب و شرق
(وطنیت بانگ درا)
میں نے جب گرما دیا اقوام یورپ کا لہو
(ارمغان حجاز)

شمیم حنفی نے ایک جگہ اقبال کی علامتوں کا ہدف و مقصد ان الفاظ میں بیان کیا ہے: عہد وسطیٰ کے مسیحی علائم کی طرح اقبال کے علائم کا ایک بہت بڑا حصہ بھی وضاحتی ہے اور اس کا مقصد تجربے کے مفہوم کو بھید بنانے کے بجائے موثر، مرتکز اور متعین کرنا ہے۔ (۲۱)

نتیجہ بحث

الغرض یہ کہ اقبال کے کلام کی روشنی میں جب ہم ان علامتوں کو سمجھتے ہیں تو ایک طرف تو اپنے شعور میں اضافہ کرتے ہیں اور روحانی زندگی کی تنظیم کرتے ہیں۔ اور یہی علامتیں جن کے ساتھ ہماری جذباتی وابستگی ہے اور جو ہمارے لاشعور کا خارجی انعکاس ہیں ہمارے طرز احساس کی تشکیل کرتی ہیں۔ (۲۲)

اقبال کی علامتیں الہیاتی نظام ہی سے تشکیل پاتی ہیں۔ اس میں اخلاقی اقدار بھی ہیں، حسن و نیکی، روشنی اور علم کے تصورات بھی۔ اقبال کے انسان کامل کی علامت میں جلالی خوبیاں بھی ہیں مگر وہ صرف قوتوں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ (۲۳)

حوالہ جات

(۱)۔ فیروادین الحاج، فیروز الغات، فارسی، لاہور: فیروز سنز، ۱۹۵۴ص ۱۴۹

(۲)۔ نور الحسن نیئر، نور الغات، جلد دوئم، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۵، ص ۳۴۳۷

(۳)۔ احمد دہلوی، سید، فرہنگ آصفیہ، لاہور، مکتبہ حسن سہیل، جلد سوم، ۱۹۴۷، ص ۲۷۹

(۴)۔ plastis jhont, a Dictionary of Urdu and English, Lahore: sang-e- meel Publications, 2003. P
763

(5)۔ شکیل پتافی، ڈاکٹر، اردو ادب اور مغرب رجحانات اردو سخن ڈاٹ کام، پاکستان، اپریل ۲۰۱۶، ص ۸۴

(۶)۔ انسانیکلوپیڈیا برٹانیکا، امریکہ: ۱۹۶۵، ص ۱۰۷

(۷)۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، ڈاکٹر، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵، ص ۱۲۳

(۸)۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، ولی سے اقبال تک، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۵، ص ۲۹۲

(۹)۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، جدید اردو شاعری میں علامت نگاری، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۷۵، ص ۴۷-۴۸

(۱۰)۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۸، ص ۴۲۳

(۱۱)۔ عارف عبدالمتین، امکانات، لاہور، ٹیکنیکل پبلیشرز اردو بازار، ۱۹۷۵، ص ۱۳۵

(۱۲)۔ فہیم اعظمی، ڈاکٹر، آرا، کراچی، صریر، ۱۹۹۲، ص ۱۰۳

(۱۳)۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، معنی اور تناظر، سرگودھا، مکتبہ نردباں، ۱۹۹۸، ص ۳۹۹

(۱۴)۔ ممتاز حسین، پروفیسر، سوال یہ ہے (مضمون)، علامتی افسانہ ایک منفی رجحان، لاہور، مطبوعہ اوراق، مارچ اپریل، ۱۹۸۴، ص ۱۲

(۱۵)۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اقبال کی فکری میراث، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۳۱

(۱۶)۔ احتشام حسین، انتخابِ احتشام حسین، (مرتبہ) فقیر احمد، لاہور اکیڈمی، لاہور، س ن، ص ۳۴۳

(۱۷)۔ انور سدید، ڈاکٹر، اقبال کت کلاسیکی نقوش، اقبال اکادمی لاہور، لاہور، ۱۹۷۷، ص ۱۰۵

(۱۸)۔ تاج محمد خیال، پروفیسر، اقبال کا نظریہ ابلیس (مقالہ)، مشمولہ: فلسفہ اقبال، مرتبہ) بزم اقبال لاہور، ص ۸۰

(۱۹)۔ ساحل احمد، پروفیسر، اقبال اور غزل، سفینہ ادب لاہور صفحہ ۱۴۹۔۔ ۱۹۸۶

(۲۰)۔ عابد علی عابد، ڈاکٹر، تلمیحات اقبال، بزم اقبال لاہور، ۱۹۵۹ء ص ۴۵۹

(۲۱)۔ حوالہ شمیم حنفی: اقبال کا حرف تمنا، نئی دہلی، انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۹۶ صفحہ ۵۸

(۲۲)۔ سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر، علامہ اقبال اور عرض حال، لاہور، اقبال اکادمی لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۳

(۲۳)۔ حوالہ تبسم کاشمیری، جدید اردو شاعری میں علامت نگاری، لاہور، شنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۷۵ صفحہ ۱۲۳